نبوّت کی ضرورت

(۴)

عبدالحمید صدیقی

ترجمان القرآن کی گذشتہ اشاعت میں ہم نے انسانی فطرت کے بعض بنیادی سوالات کا تذکرہ کیا تھا اور یہ بتایا تھا کہ ان کے جوابات پر ہی انسان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ڈھانچہ تیار کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلا سوال انسان کے ذہن میں یہ اُبھرتا ہے کہ اس عالم رنگ و بُو کا آغاز کیا ہے۔ آئیے اب سائنس کی بارگاہ سے اس کا جواب معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ سائنس دانوں نے اس سوال کے جتنے جوابات دیئے ہیں انہیں اجمالی طور پر دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(ا) یہ کائنات خود بخود محض بخت و اتفاق سے معرض وجود میں آگئی۔

(ب) اس کا کوئی آغاز اور انجام نہیں۔ مادہ جس سے اس کی تخلیق کی گئی ہے وہ قدیم ہے۔

اگر پہلے جواب کو اُس کے سارے مضمرات کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ جواب بذاتِ خود تخلیق کائنات کے معاملے میں سائنس دانوں کی عجز و بیچارگی کا اعتراف ہے۔ سائنس کا عظیم الشان قصر قانون علّت کی بنیاد پر تعمیر کیا گیا ہے۔ یعنی ہر نتیجہ اپنے پیچھے ایک سبب ضرور رکھتا ہے۔ قدرت کے رنگا رنگ مظاہر کو علت و معلول کی لاتعداد کڑیوں میں جوڑ کر ان کے درمیان ایک معنوی ربط معلوم کرنا سائنس کا وہ کارنامہ ہے جس پر سائنس دانوں نے ہمیشہ فخر کیا ہے۔ اب اگر ایک مقام پر پہنچ کر سائنس دان یہ کہنا شروع کر دیں کہ اس کائنات کو محض ایک اتفاقی حادثہ نے جنم دیا ہے، تو علّت و معلول کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور اس طرح اس کی ساری معنویت زائل ہو جاتی ہے۔

اس جواب میں پھر ایک اور تضاد بھی صاف دکھائی دیتا ہے جو قانون علّت کے لگے بندھے نظام سے کسی طرح مناسبت نہیں رکھتا۔ قانون علّت مظاہر کائنات میں جبریت کی حکمرانی پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ اسباب اور نتائج کی مختلف کڑیوں کے درمیان جو حلقے موجود ہیں وہ بالکل بے حس اور بے شعور ہیں انہیں کسی معاملے میں کوئی ارادہ اور اختیار حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس نے جس نظامِ فکر کی بنیاد رکھی ہے اُس میں جبریت کا پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اب اگر انسانوں کا کوئی گروہ اس امر کا دعویٰ کرتا ہے کہ اس کائنات کو محض اتفاق نے جنم دیا ہے اور اس نتیجہ کے پیچھے کوئی علت کارفرما نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اتفاق "جبر" کی عملداری سے آزاد ہے۔ یہاں پھر ایک ایسا تضاد سامنے آتا ہے جسے آج تک دور نہیں کیا جا سکا۔ اگر یہ "حادثہ" یا "اتفاق" اندھا بہرا لزوم نہیں بلکہ آزادی کی دولت اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے تو پھر اس کے عمل کا محرک کیا ہے۔ کیا اس کے اندر کوئی ایسا شعور تھا جس نے اس سے تخلیق کائنات کا عظیم الشان کام سرانجام دینے کی ترغیب دی۔

آزادی اور شعور دو لازم ملزوم چیزیں ہیں۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ اتفاق نے از خود کائنات کی تخلیق کر دی اور وہ کسی علت کا پابند نہ تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے عمل کے لئے کوئی ایسا محرک ضرور رکھتا ہے جس نے اُس کے اندر ایک خاص کام کرنے کی تڑپ اور ولولہ پیدا کیا۔ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ اُس "اتفاق" نے اپنے اندر آگہی اور شعور کی ساری قوتیں سمیٹ رکھی ہیں۔ اگر "اتفاق" کو شعور و احساس کا امین تصور کر لیا جائے تو پھر وہ اندھا بہرا لزوم نہیں رہتا اور اس طرح اُس کی "اتفاقیت" جو درحقیقت جدید سائنس دانوں کے نزدیک اُس کی برتری کا سب سے بڑا سبب ہے، خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

سائنس دان "حادثہ" یا "اتفاق" کو جن معنوں میں بالعموم استعمال کرتے ہیں اُن سے اُن کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ واقعہ جن اسباب کی بنا پر معرضِ وجود میں آیا ہے وہ اگرچہ کسی علت کا نتیجہ ہے لیکن اُس علت کو ابھی تک وہ پوری طرح سمجھ نہیں پائے یا دوسرے لفظوں میں علت کے اس حلقے سے پہلے جو حلقہ موجود ہے وہ ابھی اُن کی نظروں سے اوجھل ہے۔ اتفاقات کے ان مختلف حلقوں میں خواہ اور کئی خوبیاں ہوں لیکن انہیں آزادی اور شعور کی خوبیوں سے لازمی طور پر عاری سمجھا جاتا ہے۔ حادثات کے اندر ان دو خوبیوں کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو پھر وہ حادثات نہیں رہتے بلکہ باشعور محرکات بن جاتے ہیں اور اس طرح اندھے بہرے لزوم کی گرفت سے آزاد ہو کر ایک باشعور اور قادرِ مطلق ذات سے

وابستگی پیدا کرتے ہیں، کیونکہ اُسی ذات سے انہیں شعور اور آزادی کی متاعِ گرانمایہ حاصل ہوتی ہے۔

اب اس معاملے پر جتنا زیادہ غور کریں گے آپ کو کائنات کی اس اتفاقی تخلیق کے معاملے میں اُلجھنوں پر اُلجھنیں پیش آتی چلی جائیں گی۔ اگر یہ کائنات کسی ایسے اتفاق کی کرشمہ سازی ہے جو سائنس دانوں کا "اتفاق" ہے یعنی جس کے پیچھے بہر حال کوئی علّت کارفرما ہے مگر ابھی تک اُس کا سراغ نہیں لگایا جاسکا تو پھر معاملہ اتفاق پر نہیں بلکہ کسی نامعلوم علّت پر آکر رُک جاتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ تخلیق کائنات بخت و اتفاق کا نتیجہ ہے کائنات پر ایک تصریح بہتان ہے۔ اور اگر یہ فی الواقع کسی ایسے اتفاق کی ہی رہین منت ہے جس کے پیچھے کوئی علّت نہیں تو پھر یہ اتفاق علت و معلول کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہونے کی وجہ سے اپنا ارادہ اور اختیار رکھتا ہے۔ اس لئے یہ اتفاقیت کی خوبی سے یکسر محروم ہے۔ لہٰذا کائنات کی تخلیق کو کسی اتفاقی حادثہ سے تعبیر کرنا حقیقت نہیں بلکہ حقیقت کا مُنہ چڑانا ہے۔

آئیے اب سائنس دانوں کے اس دعوے پر غور کریں کہ اس کائنات کو مادہ نے جنم دیا جو قدیم ہے۔

آپ کائنات کے مختلف مظاہر کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ان کے مابین ایک نظم و ترتیب پائی جاتی ہے۔ اسی نظم و ترتیب نے اُنہیں ایک ضابطے کا پابند بنا دیا ہے جسے قانونِ قدرت کہا جاتا ہے۔ اس قانون کا منشاء یہ ہے کہ فطرت کے رنگا رنگ مظاہر کے درمیان ایک ہم آہنگی اور معنوی ربط تلاش کیا جائے چھوٹے سے چھوٹے کیڑے اور درخت سے گذر کر جب انسان اپنے وظائف بدنی پر غور کرتا ہے تو وہ یہ دیکھتا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی مشین ہے جو کمال باقاعدگی اور ترتیب کے ساتھ اپنا کام کر رہی ہے۔ پھر اس مشین کا فطرت کے وسیع اور پیچیدہ نظام کے ساتھ ایک نہایت ہی گہرا تعلق ہے۔ پہاڑوں اور جنگلوں کی خاموش گویائی میں، سورج کی خشمگیں کرنوں میں، چاند کی ٹھنڈک میں، صبح کی صباحت اور شام کی ملاحت میں اگرچہ بظاہر کوئی چیز مشترک نظر نہیں آتی، لیکن اگر ان ظاہری پردوں کے پیچھے جھانک کر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ قدرت کے یہ رنگا رنگ مظاہر ایک ہی رُخِ زیبا کے مختلف عکس ہیں:

کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
بلبل میں جو چہک ہے وہ پھول میں مہک ہے

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کی تائید مادہ کے اندھے بہرے لزوم سے نہیں ہو سکتی۔ جب ایک شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ سارا کارخانہ قدرت صرف مادہ کی کرشمہ سازی ہے تو پھر دوسرا سوال انسان کے سامنے یہ آتا ہے کہ کیا مادہ کوئی باشعور ہستی ہے۔ کیونکہ بے شعور اور بے جان مادہ سے کسی ایسی کائنات کی تخلیق ممکن نہیں جس کے مختلف شعبے ایک وحدت کی نشاندہی کرتے ہوں۔" لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں" کی کیفیت صرف اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جب ایک باشعور ذات ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت پورے غور و فکر کے بعد ان دونوں کی نہ صرف صورت گری کرے بلکہ ان دونوں کے درمیان معنوی ربط بھی پیدا کرے۔ کسی باشعور ذات کے وجود کا تقاضا انسانی فکر و احساس کا بالکل فطری تقاضا ہے۔ کیونکہ مادے کے اندھے بہرے لزوم سے کسی مادی چیز کا وجود تو ممکن ہے۔ لیکن اس میں حُسنِ ترتیب اور حُسنِ تنظیم کا کبھی تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔ اسی موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے رابرٹ فلنٹ اپنی کتاب (THEISM) میں لکھتا ہے:

سائنس دان اس چیز کے دعویدار ہیں کہ مادہ کے چھوٹے چھوٹے ریزے ازلی اور ابدی ہیں۔ چلئے ہم اس خیال کو بھی چند لمحوں کے لیے حقیقت تسلیم کر لیتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ مادہ کے ان لاتعداد ذرّات نے ایک ایسی کائنات کو کس طرح جنم دیا جس کے مختلف مظاہر میں حیرت انگیز ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ آخر اس کائنات نے موجودہ شکل و صورت کس طرح اختیار کی؟ پھر کائنات کے مختلف اور بظاہر ان میل گوشوں کے مابین جن میں ہر ایک اپنے وجود کے لئے بے شمار الگ الگ اسباب کا محتاج ہے، کس طرح ایک معنوی ربط پیدا ہو گیا۔ کیا ایٹم کے ان چھوٹے چھوٹے ذرات نے کائنات کی ترتیب سے پہلے اس کی منصوبہ بندی کے لئے ایک دوسرے سے مشاورت کی تھی۔ یہ سارے تصوّرات ایک غلط اندازِ فکر کے ترجمان ہیں"۔ (صفحہ ۱۰۷)

صرف مادہ کو ازلی اور ابدی مان لینے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اس سے زیادہ سے زیادہ جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کائنات جس جوہر سے عبارت ہے وہ اوّل روز سے ہی موجود تھا اور وہ کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔ لیکن

اس دور از کار مفروضے کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ سوال اپنی جگہ پر بہر حال موجود رہتا ہے کہ مادہ کے اندھے بہرے لزوم سے ایک ایسی کائنات کس طرح معرضِ وجود میں آگئی جس کا ہر جزو حکمت و دانائی کا ایک زبردست شاہکار معلوم ہوتا ہے۔ اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے کہ مادہ کے یہ چھوٹے چھوٹے ذرّات اپنے اندر شعور، آگہی اور وقوف کی ساری صلاحیتیں رکھتے ہیں تو اس کے بعد بھی پہلا اعتراض اپنی جگہ اُسی طرح قائم رہتا ہے۔ کیا ان سارے ذرّات نے آپس میں پوری طرح مشاورت کر کے کائنات کی تخلیق شروع کی اور وہ جب تک اس فرض کو سرانجام دیتے رہے ان کے اندر کبھی بھی اختلاف رونما نہ ہوا۔ آخر وہ کونسی ایسی قوت تھی جس نے انہیں اس اہم اور نازک مرحلہ پر باہم متحد رکھا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ قوت مادہ کی کوئی داخلی قوت تو نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ مادہ کے ریزوں میں یہ صلاحیت پہلے سے موجود تھی کہ وہ اپنے اپنے کام میں منہمک رہیں اور ایک دوسرے سے دست وگریباں ہونے کی بجائے معاونت اور دستگیری کریں تو پھر ذہن یہ چیز سوچنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے کہ آخر وہ کونسی ذات ہے جس نے مادہ کے ان چھوٹے چھوٹے ذرّات میں ایسی مختلف قوتیں ودیعت کر رکھی تھیں جن کے تعامل سے کائنات کا یہ وسیع اور پیچیدہ نظام قائم ہوا۔ اگر ننھے منے ذرّات ہی اس کائنات کے خالق ہیں تو ان ذرّات ہی میں سے بہر حال ایک ذرّہ ضرور ایسا ہونا چاہیے جس میں شعور اور آگہی کی قوّت ان سب ذرّات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہو اور پھر اُس کے اندر اتنی طاقت بھی موجود ہو کہ وہ سب ذرّات پر بلا شرکت غیرے حکومت کر سکے اور اُن کی مختلف صلاحیتوں کو کام میں لا کر کائنات کو ترتیب دے۔ قوت و طاقت کا یہ تناسب بالکل فطری سی چیز ہے۔ لیکن اس مقام پر پہنچ کر فکری دلیل پھر حیران ہو جاتی ہے اور سوچنے لگتی ہے کہ آخر وہ کونسی ایسی ذات ہے جس نے اَن گنت ذرات کے درمیان قوّت و طاقت کا یہ تناسب قائم کیا تاکہ ان سے پوری طرح فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ اس تناسب کو تخلیق کائنات میں جو غیر معمولی اہمیّت حاصل ہے اُس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس کی اہمیّت کا سارا دارومدار اُس نقشہ پر ہے جو اس کائنات کو معرضِ وجود میں لانے سے پہلے تیار کیا گیا تھا۔ اگر نقشہ میں کائنات کی ترتیب اس سے مختلف ہوتی تو یہ سارے ذرات اپنی قوت کے باوجود یکسر بیکار ہوتے۔ ان کی جو کچھ اہمیّت بھی ہے وہ اسی نقشہ کی رہینِ منّت ہے۔ انسانی عقل کے

اندر یہ بات تو کسی طرح آسکتی ہے کہ اس مادی کائنات کو مادہ کے چھوٹے چھوٹے ریزوں نے جنم دیا۔ لیکن عقل یہ چیز کبھی باور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی کہ مادہ کے چھوٹے چھوٹے ذرّات کسی ایسے نظام کا منصوبہ تیار کرلیں جس کا پہلے کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔[1] لہٰذا مادہ کو تخلیق کائنات کی علّت کہنا ایک ایسی جسارت ہے جس کی مشاہدہ اور عقل تصدیق نہیں کر سکتے۔

علم کیمیا اور ریاضی کے ایک مشہور عالم نے اسی موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:

کیا انسانی عقل اس بات کو کبھی تسلیم کر سکتی ہے کہ بے شعور مادہ محض بخت و اتفاق سے خود بخود معرضِ وجود میں آگیا، پھر اس نے بالکل اتفاقی طور پر بغیر کسی خارجی محرک کے، ایک ضابطے کی پابندی شروع کر دی اور آج تک یہ "اتفاق" ہی اس ضابطہ کو اس پر مسلّط کئے ہوئے ہے۔

علم کیمیا کے مطالعہ سے یہ حقیقت بے نقاب ہو چکی ہے کہ مادہ آہستہ آہستہ معدوم ہو رہا ہے۔ فنا کی یہ رفتار گو مادہ کی ہر قسم میں ایک جیسی نہیں کئی قسمیں بڑی سرعت کے ساتھ مٹ رہی ہیں اور بعض آہستہ آہستہ بربادی کی طرف جا رہی ہیں، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ مادہ کی کوئی قسم بھی ایسی نہیں جو فنا کی دستبرد سے مکمل طور پر محفوظ ہو۔ اس بناء پر یہ کہنا کہ مادہ کوئی ازلی اور ابدی چیز ہے بالکل غلط ہے۔ مادہ کا بہرحال ایک آغاز ہے۔ علم کیمیا اور دوسرے سائنسی علوم کے انکشافات سے اس امر کا واضح نشان ملتا ہے کہ مادہ کا یہ آغاز آہستہ اور بتدریج نہ تھا بلکہ اس کے برعکس یہ اچانک معرضِ وجود میں لایا گیا۔ اس ضمن میں بعض ایسے شواہد بھی موجود ہیں جن سے اس کی پیدائش کے وقت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مادی دنیا ایک خاص وقت میں تخلیق کی گئی،

---

[1] ممکن ہے یہاں کوئی صاحب یہ کہہ دیں کہ دیکھئے انسان کا جسم مادے سے عبارت ہے لیکن اس کا دماغ نئے نئے نقشے بنانے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ ہمارا ذہن جب بھی منصوبہ بندی کرتا ہے تو وہ مادی دنیا کے ہی تجربات اور مشاہدات کو ایک نئے سرے سے ترتیب دے لیتا ہے۔ کائنات کی تخلیق کا معاملہ اس سے بہرحال مختلف ہے اس کا جس وقت نقشہ بنایا گیا تھا تو اس طرح کی کوئی چیز پہلے سے موجود نہ تھی۔

اور اُسی لمحہ سے وہ بخت واتفاق کی نہیں بلکہ ایک ضابطہ کی پابندی کرتی چلی آرہی ہے۔

مادی دُنیا اور اُس کے قوانین و ضابطے چونکہ خود اپنے خالق نہیں ہو سکتے اور نہ ہی انہیں تخلیق پر قُدرت حاصل ہے اس لئے انسان یہ نتیجہ اخذ کرنے میں سو فی صد حق بجانب ہے کہ تخلیق کا یہ عظیم الشّان کام کسی غیر مادی قوت نے سرانجام دیا ہے۔ پھر یہ تخلیق چونکہ اپنے اندر بے شمار پیچیدگیاں اور رنگینیاں بھی رکھتی ہیں اس لئے انسانی عقل اپنے آپ کو اس حقیقت کے ماننے پر مجبور پاتی ہے کہ وہ اُس خالق کے بارے میں، یہ تصوّر بھی قائم کرے، کہ وہ کوئی اندھا بہرا لزوم نہیں بلکہ سوچنے، سمجھنے والی اور تدبیر کرنے والی ذات ہے جس نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت پہلے اس کائنات کی منصوبہ بندی کی اور اپنے ارادہ اور مشیت کے تحت اُس منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا۔[۱]

تخلیق کائنات، اُس کے آغاز اور انجام کے متعلق اس ایک نظریہ کے علاوہ اور جتنے نظریات بھی پیش کئے گئے ہیں اُن میں قدم قدم پر فکر و نظر کا تضاد ملتا ہے۔ سائنس دان محض تجربہ اور مشاہدہ کی مدد سے، اور مادہ کو اس کی علّت قرار دے کر تخلیق کائنات کی کوئی ایسی توجیہ نہیں کر سکے جس پر انسان کا قلب و دماغ پوری طرح مطمئن ہو۔ سائنس مذہب کی رہنمائی حاصل کئے بغیر اس میدان میں بالکل عاجز ہے اور اُسے اپنی بیچارگی اور درماندگی کا اعتراف ہے۔

سائنس دانوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ مشاہدہ کی مدد سے کائنات کے آغاز و انجام کے بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہہ سکتے چنانچہ پروفیسر لیتم جو فرانس کا مشہور سائنس دان ہے اُس نے اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"کائنات کے آغاز و انجام تک مشاہدے کی رسائی نہیں ہے۔ اس لیے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی ازلی یا ابدی وجود کا انکار کریں۔ جس طرح ہمارا کام یہ بھی نہیں ہے کہ ہم اس کو ثابت کریں۔ ہمارا کام نفی و اثبات دونوں سے الگ ہے۔

یہ ہے تذبذب کا وہ مقام جس پر سائنس تخلیق کائنات کے مسئلہ میں انسان کو لاکر کھڑا کر دیتی ہے۔

a[1] Evidence of God in Expanding universe p.144